

انمول محبت

ثناء بانو



انمول محبت



ثناء بانو

پیش لفظ

السلام علیکم۔۔!!

آپ سب کے ڈھیر سارے پیار کا بہت شکریہ۔ اس معاشرے کے جھوٹ، فریب، تلخیوں سے پاک محبتوں سے گُندھی میری ہر تحریر کو آپ لوگوں نے بہت پسند کیا۔ اتنی محبت دی اتنا پیار دیا بہت بہت شکریہ۔ اُمید ہے یہ تحریر بھی کسی نہ کسی حد تک آپ لوگوں کے موڈ کو فریش کرنے یا آپ کے چہرے پر اسمائل لانے کا باعث بنی ہوگی۔ ان شاء اللہ پھر سے ایک نئے سفر ایک نئی تحریر کے ساتھ ملاقات ہوگی۔ اپنا خیال رکھیے اور مجھے بھی اپنی ڈھیر ساری دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اللہ حافظ

– ثناء بانو



ضروری بات

انمول محبت کے تمام جملہ حقوق لکھاری "ثناء بانو" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

انمول محبت کی کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔



سارے گھر میں ہلچل مچی تھی، خوب گہما گہمی تھی!

ایک تو رمضان مبارک کی آمد آمد تھی اور ساتھ میں چچا مہتاب کا ارادہ بھی عید یہیں منانے کا تھا۔ سو وہ بھی اپنی پوری فیملی سمیت لاہور سے یہاں (گاؤں) آرہے تھے۔

ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ رمضان مبارک کی آمد ہو اور گھروں میں پُر نور رونق نہ ہو! سو پہلے ہی رمضان مبارک کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ آخر ایک ہفتہ ہی باقی تھا اور آج رات کو چچا کی فیملی بھی آرہی تھی۔

سب ہی کاموں میں لگے تھے۔ بلقیس بیگم نے بہت سارے پکوان تیار کر لیے تھے لیکن اب دادی پتہ نہیں کیا بنانے میں مگن تھیں۔ وہ سارا کام خود سے کرنا چاہتی تھیں اتنے عرصے بعد ان کا بیٹا آرہا تھا۔ مختلف پکوانوں کی خوشبو سے سارا گھر مہک اٹھا تھا۔

"ارے میں کہتی ہوں اس کمبخت موبائل کو پرے پھینک اور یہ سامنے والی دکان سے بھاگا بھاگا دھنیا پکڑ لا" دادی نے موبائل میں سر دیے فیصل کو دیکھ کر جھڑکتے ہوئے کہا۔

فیصل نروٹھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا، "کیا دادی! ابھی تو پکڑا تھا۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

دادی کی گھورتی نظروں نے فیصل کو آڑے ہاتھوں لیا، "ارے تیرے کونسے بزنس چل رہے ہیں؟ چل اب جا بھی، دھنیا ہنڈیا میں ڈالنا ہے"

"کہ صرف باتوں میں ہی لگا رہے گا!؟"

"ایک تو اس معصوم جان پر ہی سارا بوجھ ڈال رکھا ہے۔" سرگوشی کرتے ہوئے دادی کے کہنے پر ناچار وہ موبائل کو اپنی پینٹ کی جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بتائیں! کیا لانا ہے؟"

"ارے لانا کیا ہے سامنے بشیرے کی دکان سے دھنیا اٹھالا پہلے ہی ٹائم کم ہے جلدی جاو اور جلدی آو، آج تو میں اپنے بیٹے کا پسندیدہ مٹر گوشت بناؤں گی۔" دادی نے بیٹے کو یاد کرتے ہوئے محبت سے کہا۔

"کیا۔؟ میں صرف دھنیا لینے جاؤں؟" فیصل نے آنکھیں پھاڑے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں! تو پوری دکان اٹھالا" دادی کے طنزیہ انداز پر ساتھ بیٹھے مٹر نکالتے آصف کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"ارے دادی وہ ڈرائیور چچا سے امی جان نے سارا کچھ منگوایا تو تھا" فیصل نے پھر سے دفاع کیا۔

"نہیں وہ نہیں، تُوں بشیرے کی دکان سے ہی لا کر دے، وہ اپنے گھر کا تازہ دھنیا دیتا ہے، اور تازے دھنیے کی تو الگ ہی خوشبو ہوتی ہے۔"

"جا بھی اب دیکھی کیا جا رہا ہے، کہتی ہوں میں بلقیس سے تمہارے بیٹے دن بہ دن نکے ہوتے جا رہے ہیں خاص طور پر یہ فیصل" دادی کے کہنے پر آصف کا قہقہہ ہوا میں بلند ہو گیا تو فیصل آصف کو گھورتا ہوا مزید کچھ کہے بغیر پاؤں پٹختا باہر چلا گیا۔

"تُوں کیا گدھوں کی طرح ہانک رہا ہے؟ جلدی مٹر نکال کر مجھے کچن میں دے جا" دادی کے سخت لہجے پر آصف کی ہنسی کو بریک لگ گئے تو جلدی جلدی مٹر نکالنے لگا۔

"ایک تو نکے ہیں سب کے سب" دادی بڑبڑاتی ہوئیں واپس کچن میں چلی گئیں۔

"بیٹا سامان پیک ہو گیا ہے تو گاڑی میں رکھو اور خود بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ تاکہ گاؤں کے لیے روانہ ہو سکیں!" مہتاب صاحب نے لبینہ کے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

"جی بابا میں نے رکھوا دیا ہے، بس ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔" لبینہ نے مسکرا کر کہا تو مہتاب صاحب اس کے سر پر پیار دیتے واپس چلے گئے۔ وہ بھی کچھ ہی دیر میں تیار ہو کر باہر آگئی جہاں مہتاب صاحب، آسیہ بیگم اور ابو بکر اور سدرہ پہلے سے ہی تیار کھڑے تھے۔ سب ہی گاؤں جانے کے لیے بے حد ایکسائیٹڈ تھے سوائے لبینہ کے۔

لبینہ کے آنے پر سب ہی گاڑی میں بیٹھ گئے تو مہتاب صاحب نے گاڑی گاؤں کی طرف جاتی شاہراہ پر گامزن کر دی تھی۔

چارپانچ گھنٹوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد آخر کار وہ گاؤں کی سرحدوں میں پہنچ ہی گئے تھے۔ ہر طرف فصلیں ہی فصلیں تھیں جو پک کر زرد رنگ میں ڈھل چکی تھیں، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر طرف زرد چادریں بچھا دی گئی ہوں۔ مشینوں کے ذریعے گندم کی کٹائی کی جا رہی تھی گرمی اپنے جو بن پر تھی لیکن اس کے باوجود کسان فصلوں کی کانٹ جھانٹ میں لگے تھے۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی سر توڑ کام میں مگن تھیں وہ تینوں بہن بھائی بھی مگن سے، شیشوں سے نظر آتے منظر دیکھ رہے تھے۔

مہتاب صاحب نے گاڑی گاؤں کے کچے راستے پر ڈال دی۔ گاؤں کے راستے کچے تھے، کچھ گھر بھی کچی اینٹوں سے بنے تھے۔

کچھ ہی دیر کے بعد گاڑی نعیم صاحب کے گھر کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ سب کی نظر سامنے دو منزلہ گھر پر پڑی تو تینوں بچوں کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہو گئی۔ یہ گھر کسی بھی اینگل سے گاؤں کا گھر نہیں لگتا تھا۔ مہتاب صاحب نے ہارن بجایا تو ملازم نے اندر سے گیٹ کھول دیا۔ وہ گاڑی سیدھا گھر کے اندر لے آئے۔ سب ہی حیرت سے گاڑی سے باہر نکلتے گھر کا جائزہ لینے لگے۔

یہ دو منزلہ گھر خوبصورت اور جدید طرز پر بنایا گیا تھا لان کے گرد زنجیروں سے چار دیواری بنائی گئی تھی جس کے ساتھ رنگ برنگے پھولوں کے پودے لگائے گئے تھے۔ لان کی صفائی اور کٹائی کا بھی خاص خیال رکھا گیا تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر ہی حیرت زدہ تھے کہ بھلا گاؤں کے گھر کہاں ایسے ہوتے ہیں!

"ارے بچو! وہاں کیوں کھڑے ہو، اندر چلو۔" مہتاب صاحب نے سب بچوں کو خیرت زدہ دیکھ کر کہا تو وہ سر ہلاتے اندر کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ عبور کرتے، دادی نے انہیں وہیں روک لیا تھا۔

"ارے اوشمینہ! میں نے تمہیں کتنی بار کہا تھا تیل پاس ہی رکھیو اب لے بھی آکب سے مرا بچہ دروازے پر کھڑا ہے۔" دادی نے شمینہ کو آواز لگائی تو وہ بھاگتی ہوئی تیل کی بوتل لے آئی جبکہ باقی سب بس دادی کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ دادی کے دروازے کے دونوں اطراف میں تیل گرانے کے بعد مہتاب صاحب نے اندر قدم رکھا ان کے پیچھے ہی باقی سب بھی داخل ہو گئے۔ دادی نے اپنے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ ویسے تو مہتاب صاحب یہاں کا چکر لگا جایا کرتے تھے لیکن ماں کو اتنے سے کہاں سکون ملنے والا تھا اب وہ بہت خوش تھیں کہ ان کا بیٹا اپنی پوری فیملی کے ساتھ عید تک رہنے آیا ہے۔

مہتاب صاحب کے بعد دادی نے سب بچوں اور بہو کو بھی پیار کیا۔ اسی طرح سب ایک دوسرے سے ملنے کے بعد لاؤنج کے صوفوں پر براجمان ہو گئے اور خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ جبکہ شمینہ سب کے لیے ٹھنڈے مشروبات لے آئی۔

"کیا سوچ رہا ہے؟" آصف نے فیصل کو سوچوں میں گم دیکھ کر سرگوشی کی جبکہ باقی سب اپنی ہی باتوں میں مگن تھے۔ "ارے سوچ رہا ہوں اگر دادی نے مہتاب چچا کی فیملی کے سامنے بھی ہم سے کام کروا لیے تو؟" فیصل کے کہنے پر آصف بھی پریشان ہو گیا۔

"ہاں یار کہہ تو توں صحیح رہا ہے! ویسے یار یہ بھی شکر ہے کہ دادی صرف کچن کے کام کرواتی ہے کبھی کبھار! اگر جھاڑو پوچھا بھی لگواتی تو ہمارا کیا بنتا تھا؟" آصف کے کہنے پر فیصل تو خود کو جھاڑو پوچھا لگانے کا تصور کر کے ہی لرز اٹھا تھا تو اپنی بھڑاس آصف پر نکال دی۔

"منہ اچھا نہ ہو تو بات اچھی کر لیا کر۔۔، جاد فغ ہو جا۔۔!"

"تو تو ایسے کر رہا جیسے ابھی دادی نے تمہیں بھیج دینا کہ جاؤ فیصل جا کر مہمانوں کے کمروں میں جھاڑو پوچھا گا آؤ" آصف نے منہ بناتے کہا تو فیصل کا دل کیا ایسے اٹھا کر باہر پھینک آئے۔

"ارے بھی تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟" مہتاب صاحب نے دونوں کو کھسر پھسر کرتے دیکھ کر استفسار کیا۔
"کچھ نہیں چچا جان وہ۔۔، ہم بس یہی سوچ رہے تھے کہ بھائی ابھی تک نہیں آئے" آصف نے فوراً بات بناتے ہوئے کہا۔

"ارے وہ فصلوں کی کٹائی ہو رہی، اسی سلسلے میں گیا ہے، تم دونوں کی طرح فارغ، موبائلوں میں سر دیئے نہیں بیٹھا رہتا" دادی کے طنزیہ انداز پر دونوں کے منہ بن گئے جبکہ باقی سب مسکرا دیئے تھے۔

"دادی کرتے تو ہیں ہم کام۔۔ آپ ایسے ہی ہمیں بدنام کرتی ہیں!" فیصل نے اپنی صفائی میں کہنا چاہا تھا۔
"ارے توں بتا ہی دے کیا کام کرتا ہے؟ ایک نے دو مٹر نکال دیئے تو دوسرے نے دھنیا لادیا، اس سے زیادہ کرتے ہی کیا ہو تم دونوں؟ ہو نہہ!"

"چپ کر جا بیٹا اس سے پہلے کہ دادی ہماری مزید کرتوتیں کھولے توں چپ کر جا" آصف کی سرگوشی پر فیصل منہ بناتا چپ ہو گیا۔۔

صد شکر کہ شمینہ نے کھانا لگانے کا کہہ دیا تو سب کھانا کھانے اٹھ کھڑے ہوئے ورنہ دادی کا کیا بھروسہ تھا۔! پہلے کام کروا لیتیں بعد میں سرعام گنوا دیتیں سو خاموشی میں ہی عافیت جانتے وہ بھی سب کے ساتھ کھانا کھانے چل پڑے تھے۔

کھانا کھا کر کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے تو لبینہ اپنا سامان کمرے میں سیٹ کرنے میں مگن ہو گئی سارا کمرہ سیٹ کرنے کے بعد دیکھا تو 12 بج چکے تھے۔ وہ پانی کا جگ بھرنے نیچے جا رہی

تھی جب اسے گیٹ پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں سے اپنے کمرے کی کھڑکی میں پردہ ہٹاتے آکھڑی ہوئی۔ سامنے گیٹ سے ایک بلیک پراڈو گھر میں داخل ہوئی۔، گاڑی کے داخل ہوتے ہی ملازم نے گیٹ بند کر دیا تھا۔

"اس ٹائم کون آیا ہو گا؟ شاید کوئی جاننے والا ہو" لبینہ سر جھٹکتے پانی کا جگ لیے نیچے آگئی جہاں بلقیس بیگم کسی کو ڈانٹ رہی تھیں اور وہ سر جھکائے سن رہا تھا۔، بلیو شلوار قمیض میں ملبوس اچھی پر سنیلٹی کا حامل وہ شخص اسے گاؤں کا معلوم نہیں ہو رہا تھا، لبینہ اس کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی کیونکہ اسکی لبینہ کی طرف پشت تھی۔

"اب فریش ہو کر جلدی سے آ جاؤ! تب تک میں کھانا نکالتی ہوں۔" بلقیس بیگم کے ناراضگی بھرے انداز پر اس نے بغیر کچھ کہے ان کو گلے لگالیا اور ان کو سر پر بوسہ دیتا اپنے کمرے میں جانے کے لیے پلٹا تو سامنے کھڑی لبینہ پر نظر پڑ گئی۔

"بابا مجھے گاؤں جانا تک پسند نہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ میں گاؤں میں شادی کر لوں؟ مجھے کسی پینڈو کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔۔۔!" کتنی بے رخی تھی اس کے لہجے میں! مہتاب صاحب نے بھی سمجھانا چاہا تھا۔

"دیکھو بیٹا تم غلط سمجھ رہی ہو"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بابا جان آپ نہیں جانتے گاؤں کے لوگ کتنے جاہل ہوتے ہیں، میری دوست کے رشتہ دار گاؤں کے ہیں، دیکھا ہے میں نے، نہ ان کو بات کرنے کی تمیز ہوتی ہے، نہ کوئی مینر (manner) ہوتے ہیں!" اس نے بھی کہہ دیا جو اس کی دوست نے اسے گاؤں کے بارے میں بتایا تھا۔

جب اس نے اپنے چچا کی فیملی کے بارے میں اسے بتایا کہ مہتاب صاحب اس کی شادی گاؤں میں کرنا چاہتے تو اس نے اپنے رشتہ داروں کا تذکرہ کیا تھا جس پر لبینہ ڈٹ گئی تھی کہ وہ گاؤں میں شادی نہیں کرے گی۔

اسے دیکھتے ہی لبینہ کے آس پاس آوازیں گونجنے لگیں۔

لبینہ کو دیکھ کر سر جھٹکنا اوپر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا، وہ بھی جلدی سے بلقیس بیگم کے پاس آگئی۔

"ارے بیٹا کچھ چاہیے تھا؟"

بلقیس بیگم نے لبینہ کو اس ٹائم نیچے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں تائی جان وہ میں بس پانی لینے آئی تھی" لبینہ کے کہنے پر دونوں باتیں کرتیں کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"فرتج میں پانی رکھا ہے تم لے لو تب تک میں کھانا لگا لوں۔" بلقیس بیگم نے آٹے کے پیڑے بناتے ہوئے کہا۔

"میں ہیلپ کر دوں؟"

"نہیں بیٹا! بس ہو گیا کام۔۔، تم فکر مت کرو"

"تائی جان ایک بات پوچھوں؟" لبینہ نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ضرور پوچھو بیٹا!"

"یہ کون تھا؟ جسے آپ ابھی ڈانٹ رہی تھیں" لبینہ کے پوچھنے پر بلقیس بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ خضر ہے میرا سب سے بڑا بیٹا۔" بلقیس بیگم کے کہنے پر لبینہ نے محض سر ہلادیا تھا تبھی خضر فریش سا کچن میں داخل ہوا۔

بلقیس بیگم وہیں کچن میں موجود ٹیبل پر کھانا لگانے لگ گئیں۔

"اوکے تائی جان اب میں چلتی ہوں" لبینہ بلقیس بیگم کو کہتی ایک نظر خضر پر ڈالتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ خضر کی نظروں نے اس کا دور تک تعاقب کیا تھا لیکن پھر سر جھٹکتا کھانے کی ٹیبل پر براجمان ہو گیا۔

مہتاب صاحب لاہور میں ہوتے تھے پلے بڑھے تو وہ سیالکوٹ کے گاؤں میں ہی تھے لیکن وہ کام کے سلسلے میں لاہور گئے تو بس وہیں اپنا کام شروع کر لیا۔ پھر بس ان کا کام چل پڑا تو ان کی شادی پروین (دادی) نے اپنی سہیلی کی بیٹی آسیہ سے کر دی جو پڑھی لکھی تھی۔ مہتاب صاحب کچھ کام میں بڑی ہو گئے یوں انھوں نے اپنی بیوی سمیت لاہور شفٹ

ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ ماں نے بھی ناچار اجازت دے دی تھی۔ لاہور جانے کے بعد کافی عرصہ وہ بچوں سمیت گاؤں آ جایا کرتے تھے لیکن پھر بچوں کی اسٹڈی کے باعث بچے تو نہیں لیکن وہ خود یہاں کا اکثر چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان کے تین بچے تھے سب سے بڑی لبینہ، پھر سدرہ اور پھر ابو بکر۔

دوسری جانب نعیم صاحب نے اپنے ابا کی زمینوں کو سنبھالتے ہوئے زمینداری کا کام شروع کر لیا لیکن انہوں نے بھی نہ صرف بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی بلکہ ان کو ماحول بھی اچھا دیا تھا جب کام چل پڑا تو انہوں نے بھی گاؤں میں ہی اپنا گھر تعمیر کروالیا تھا۔ جس میں اب وہ رہائش پذیر تھے۔ ان کے بھی تین ہی بچے تھے خضر، فیصل اور آصف اور بیٹی کوئی تھی نہیں۔۔۔ خضر بھی کبھی کبھار مہتاب صاحب کے گھر کا چکر لگا لیا کرتا تھا، دونوں بھائیوں نے دادی کی خواہش پر لبینہ اور خضر کا رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن لبینہ گاؤں میں شادی کرنے کے لیے راضی نہیں تھی سو اس نے فٹ سے انکار کر دیا تھا۔ اسی لیے مہتاب صاحب نے اپنی سی ایک کوشش کے لیے فیملی سمیت گاؤں آنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ لبینہ کے جو اعتراضات ہیں وہ ختم ہو جائیں سو اسی سلسلے میں وہ عید گاؤں میں منانے آئے تھے۔

سدرہ، لبینہ اور ابو بکر تینوں ہی سب کے ساتھ گھل مل گئے تھے فیصل اور آصف بھی تینوں کے ساتھ خوب گپیں لگاتے، ہر ٹائم کوئی نہ کوئی گیم کھیلتے تو کبھی گاؤں کے قصے نمک مرچ لگا لگا کر سناتے جس پر وہ تینوں ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ جاتے۔۔۔ روز ہی کوئی نہ کوئی خاتون ان سے ملنے آ جاتی تھی۔ رمضان کا مہینہ بھی اپنی بے شمار رحمتوں اور برکتوں سمیت آگیا! کل پہلا زورہ تھا تو کوئی مینیوڈیسا ئیڈ کر رہا تھا کہ کل کیا بنے گا، تو کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

سب ہی مہتاب صاحب کے فیملی سمیت آ جانے پر خوش تھے۔ سب رات گئے تک گپیں لگاتے رہتے، ابھی بھی سب یوں ہی گپیں لگا رہے تھے ساتھ ساتھ فیصل کا پسندیدہ کھیل پرچیاں (یہ ایک گیم ہے جو دو طرح کی ہوتی۔ ایک چور سپاہی والی اور دوسری ایک ایک شہر کے نام پر چار پرچیاں بنائی جاتیں جن کو فولڈ کر کے مِس کرنے کے بعد ہر فرد کو چار چار دی جاتیں اور کوئی بھی پرچی آگے پاس کرتے کرتے ہم نے چار پرچیاں ایک ہی شہر کی اکٹھی کرنی ہوتیں۔ جس نے پہلے کر لیا وہ جیت گیا) کھیل رہے تھے فیصل چونکہ اس گیم میں چیٹنگ میں ایکسپرٹ تھا تو یہی گیم سب کو

کھینے کا کہہ کر لے آیا تھا، ساتھ میں دھمکی بھی عائد کر دی تھی کہ یہ گیم نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ سو سب خاموشی سے مزے سے کھینے لگے۔ جب دادی جان نے سب کو ڈانٹ کر سونے کے لیے بھیج دیا کہ صبح پہلا روزہ ہے اور ہے بھی جمعہ کا! تو سب وقت سے پہلے اٹھ جائیں۔ سب اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے خضر گھر میں کم کم ہی پایا جاتا تھا سو وہ دادی کی ڈانٹ سے محفوظ تھا۔

وہ بھی اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی جب اس کی آواز ڈھول کے بجنے پر کھلی...! رمضان کے مہینے میں ایسا ہی ہوتا تھا ہر گاؤں میں سحری کے وقت ڈھول بجا کر لوگوں کو روزہ رکھنے کے لیے نیند سے بیدار کیا جاتا تھا۔ پہلے روزے کا سوچ کر ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ وہ کمبل ایک طرف کو سرکاتی اپنے کمرے کی کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی جہاں سے آدھے سے زیادہ گاؤں نظر آتا تھا۔ ہر گھر میں لائٹ جگمگا رہی تھی جو اس بات کی عکاسی تھی کہ سب ہی بیدار ہو چکے ہیں! بار بار مساجد میں روزہ رکھنے کی تلقین کی جا رہی تھی تو کہیں ڈھول کی آواز ایک خوشگوار سا تاثر دے رہی تھی جس سے وہ اندر تک سرشار ہوتی واش روم میں گھس گئی تھی۔

صبح سب ہی جلدی اٹھ گئے بلقیس بیگم اور آسیہ بیگم کچن میں سحری تیار کر کے ٹیبل پر لگا رہیں تھیں جب باقی کے فرد بھی کھانے کی میز پر آگئے فیصل اور آصف کے ہنسی مزاح پر دادی بار بار ان کو ڈانٹ دیتیں تو وہ خلاف معمول کوئی بھی تاثر دینے بغیر سحری کرتے رہے، سب ہی دونوں کو خاموش دیکھ کر حیران تھے۔

"ارے آپ لوگ حیران نہ ہوں۔۔ ہم لوگ بس اس لیے چپ ہیں کہ ہم دادی کو ان کے میشن (mission) میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے یہ تو بہانہ بنا رہیں کہ ہم سحری نہ کھائیں اور یہ خود ساری ہڑپ کر جائیں" فیصل کے کہنے پر دادی کے ماتھے پر غصے سے بل پڑ گئے جبکہ باقی سب فیصل کے انداز پر اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

"نہ تیری بات کا مطلب کیا ہے؟ میں یہ سب ہڑپ کر جاؤں گی؟ توں بتا زرا مجھے!"

"لو دادی جب آپ خود مان رہی ہیں کہ یہ سب آپ ہڑپ کر جائیں گی تو اب میں کیا کہہ سکتا ہوں"

فیصل نے صاف کندھے اچکا دیے تھے۔

"تو رک کسبت تجھے میں بتاتی ہوں" دادی نے ناراضگی سے کہا اس سے پہلے کہ وہ اٹھتیں دادی کی نظر اپنے لاڈلے پوتے خضر پر پڑ گئی تو سارا غصہ رفو چکر ہو گیا۔

"ارے خضر جلدی آؤ سحری کا ٹائم نکلا جا رہا ہے۔" بلقیس بیگم کے کہنے پر سب کی نظر خضر پر پڑی جو جلدی جلدی زینے عبور کرتا نیچے آ رہا تھا۔

"اسلام و علیکم..." خضر سب کو سلام کرتا دادی سے پیار لیتا جلدی سے آکر کرسی کھینچتے بیٹھ گیا۔

بلقیس بیگم جو کہ سحری کر چکی تھیں خضر کو سرو کرنے لگیں۔ پہلی سحری یوں ہی سب کی نوک جھونک اور ہنسی مذاق میں گزر گئی۔

فجر کی نماز کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ کافی ٹائم گزر گیا لیکن نیند نہ آئی تو وہ کھڑی کے پاس آکھڑی ہوئی جہاں آسمان پر پرندے اڑ رہے تھے اور مشرق سے سورج نمودار ہو رہا تھا۔ غروب آفتاب کا منظر تو اس نے دیکھا تھا لیکن آج وہ طلوع آفتاب دیکھ رہی تھی۔ صبح کا منظر ہی اس قدر سرشار کر دینے والا تھا کہ وہ اس سحر میں جکڑ گئی۔ یہاں تک کہ نیچے سے چہل پہل کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ چونکتی ہوئی نیچے چلی گئی جہاں آسیہ بیگم اور بلقیس بیگم شمینہ کو سدرہ اور لبینہ کو اٹھانے کا بول رہی تھیں۔

"لو لبینہ تو خود آگئی، تم ایسا کرو سدرہ کو بلا لاؤ۔" بلقیس بیگم نے ملازمہ کو کہا تو وہ سر ہلاتی چلی گئی۔

"تائی جان خیریت؟ آپ مجھے بلانے کا کہہ رہی تھیں؟" لبینہ نے پاس آتے پوچھا۔

"ہاں بیٹا آٹھ بجے نماز تسبیح پڑھنے جانا ہے تو تم جلدی سے غسل کر لو۔ ساڑھے سات ہو گئے ہیں۔" بلقیس بیگم کے کہنے پر اس نے حیرت سے آسیہ بیگم کی طرف دیکھا۔ شروع سے ہی تو وہ گھر میں دس بجے کے قریب خود ہی تسبیح کی نماز آسیہ بیگم کے ساتھ پڑھ لیتی تھی وہ کب کہیں پڑھنے گئی تھی؟ نہ ہی ایسا کوئی اہتمام ہوتا تھا۔

"لیکن تائی جان جانا کہاں ہے؟" ان نے نا سمجھی سے بلقیس بیگم سے پوچھا تھا۔

"ارے بیٹا یہاں ایسا ہی ہوتا ہے کہ سب خواتین اکٹھی ہو کر نمازِ تسبیح پڑھتی ہیں، یہیں گھر کے پچھلی سائیڈ پر عورتوں کی نمازِ تسبیح کا اہتمام کیا گیا ہے تو جب تک سب عورتیں آجائیں، تم بھی جلدی سے غسل کر آؤ" آسیہ بیگم کے کہنے پر وہ سر ہلاتی چلی گئی اس کی واپسی پر سدرہ بھی آچکی تھی تو سب گھر کے پچھلی جانب چلیں گئی جہاں نمازِ تسبیح ادا کرنے کے لیے اچھا اہتمام کیا گیا تھا اور سب خواتین بھی آچکی تھیں۔ سلام دعا کے بعد سب نے نمازِ تسبیح پڑھی۔ لبینہ سمیت سب کو یوں نماز ادا کرنا کافی اچھا لگا تھا لبینہ کو اچھا لگا تھا سب کامل جل کر آنا۔

یوں اکٹھا ہونا اس بات کو ثابت کرتا تھا کہ لوگوں میں اتحاد ابھی بھی باقی ہے۔ ملنے جلنے سے ہی احساس اور محبت بڑھتی ہے۔

یوں ہی رمضان کے دن، سحری اور افطار ہنسی مذاق میں گزرتے رہے۔ آج صبح سے ہی آسمان پر بادلوں کا راج تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ کافی اچھا موسم تھا گندم کی کٹائی بھی قریباً اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ اور وہ سب لاؤنج میں براجمان باتوں میں مصروف تھے...!

"یار آج موسم اتنا اچھا ہے، کیوں نہ کہیں باہر گھومنے جایا جائے!"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

لبینہ کے کہنے پر سب کو ہی لبینہ کا آئیڈیا اچھا لگا تھا۔

"ہاں ویسے بھی جب سے ہم لوگ گاؤں آئے ہیں ایک بار بھی گاؤں دیکھنے نہیں گئے!" سدرہ نے بھی لبینہ کا ساتھ دیا جس پر سب نے باہر جانے کا پلان بنایا اور بڑوں سے اجازت لیتے پیدل ہی گاؤں کی سیر کے لیے روانہ ہو گئے۔

"یار میں کہہ رہا ہوں تم لوگوں کو واپس چلتے ہیں گاڑی لے آتے ہیں!"

فیصل نے تھوڑا آگے پہنچنے پر ایک بار پھر سے اپنی بات دہرائی جو وہ چند قدم لینے پر سب کی توجہ اس جانب مبذول کرواتا تھا۔ لیکن ہر بار کی طرح سب نے انکار کر دیا تھا۔

"دیکھو چپ کر کے چلو ورنہ ہم نے گھر جاتے ہی دادی کو بتا دینا ہے اور آگے تم جانتے ہو کہ تمہیں لائق ہونے کے کتنے طعنے ملیں گے۔" آصف کے کہنے پر فیصل نے تو منہ بسور لیا لیکن باقی سب ہنس دیے تھے۔

"تم مجھے ایسے طعنے مار رہے ہو جیسے خود تو بڑے قلعے فتح کر کے آئے ہو!" فیصل اور آصف کی نوک جھونک شروع ہو چکی تھی جس سے کافی لمبا سفر آسانی سے کٹ گیا تھا اور وہ لوگ گاؤں کے ایک سائیڈ پر بہتی ہوئی ندی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

چاروں طرف گندم ہی گندم کی فصلیں تھیں۔ اس طرف کی کٹائی ابھی باقی تھی اوپر سے آسمان پر کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے جس سے یہ منظر کافی خوبصورت لگ رہا تھا۔

ندی ان کھیتوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دور تک کو جاتی تھی یوں آدھے کھیت ایک طرف کو اور آدھے دوسرے جانب کو تھے۔ اس ندی کو عبور کر کے ہی دوسری طرف جایا جاسکتا تھا ندی ذرا گہری تھی لیکن پانی کا بہاؤ زیادہ تیز نہیں تھا اس لیے اس ندی کو عبور کرنے کے لیے کشتی کا انتظام تھا۔ ندی کو عبور کرنے کے بعد کھیت تھے جن سے گزرنے کے بعد ایک چھوٹا سا جنگل تھا جس میں کسی بھی قسم کے خطرناک جانور نہیں تھے لیکن ایک چھوٹا سا محل نما کھنڈر ضرور تھا۔۔۔

"وہاں کیا ہے؟" سدرہ نے سامنے اسی جنگل کی طرف اشارہ کرتے پوچھا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں کسی راجہ کا محل تھا اور اس کے اندر راجہ کی استعمال کردہ چیزیں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ جنگل جو تم لوگ دیکھ رہے ہو، یہ بھی اسی کا تھا جس کی وجہ سے اس جنگل کو راجہ باغ کے نام سے جانا جاتا ہے اس کے بارے میں کنفرم نہیں ہو سکا اور نہ ہی کبھی ہم نے جا کر دیکھا کہ یہ واقعی کسی راجہ کا محل ہے یا محض لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں!"

فیصل کے کہنے پر سب بضد ہو گئے کہ ان کو وہ محل دیکھنا ہے!

"یار کوئی محل نہیں ہے وہاں، ہوا بھی تو اب تک کھنڈر بن چکا ہونا ہے۔ اور وہاں راجہ کی چیزوں کو پاکستانی عوام نے کباڑیے کو دے کر سینگنیاں اور پتیسہ کھالیا ہونا ہے۔"

آصف کے کہنے پر فیصل کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا کیونکہ ایسا ہی ہوتا تھا گاؤں میں کوئی بھی چیز جس کا استعمال نہیں ہوتا تھا یا تو وہ بیچ دی جاتی یا وہ کباڑ والے کو فروخت کر دی جاتی تھی۔ گاؤں کے بچے ہمیشہ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں بھی کباڑیے والے کو دے کر پتیسہ یا سینگنیاں ہی کھاتے۔ اگر کوئی چیز ہاتھ نہ آتی تو سوکھی روٹیاں ہی بیچ دیتے لیکن سینگنیاں ضرور کھانے کھاتے تھے۔

"تم لوگ بھی نہ ہر بات کو بگاڑ دیتے ہو۔ چلو نہ چل کے دیکھتے ہیں وہ محل، کیونکہ اگر وہ محل واقعی میں ہے تو وہ گورنمنٹ کے انڈر ہونا تو وہاں سے کوئی بھی چیز نہیں لی جاسکتی!" لبینہ کے کہنے پر سب نے اس محل میں جانے کا فیصلہ کیا تو ندی کو عبور کرنے کے لیے کشتی میں سوار ہو گئے۔ اور باقی کا راستہ پیدل ہی چلتے راجہ باغ میں پہنچ گئے۔

سامنے محل کو دیکھتے سب کی ایکسائٹمنٹ (excitement) کے ساتھ ساتھ قدموں کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی!...

اس محل کے باہر کوئی ایک چوکیدار اور ایک دو ملازم تھے جو گورنمنٹ نے اس محل کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کئے تھے۔ ان لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنے پر تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی لیکن اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ محل ویسا بڑا تو نہیں تھا جیسا تصور کیا جاتا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا محل تھا جس کی مرمت نہ کرنے کے باعث باہر سے کھنڈر کی طرح ہی لگتا تھا لیکن اندر سے باہر کی نسبت کافی صفائی کا خیال رکھا گیا تھا۔ جگہ جگہ مصوری کے فن پارے (painting) تھے۔ اس محل میں کشادہ کمرے تھے۔ کچھ بادشاہی سامان پڑا تھا کچھ تلواریں بھی پڑیں تھیں۔ ابھی وہ سب یہ دیکھنے میں ہی مگن تھے جب ان کو یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا گیا۔ وہ بھی خاموشی سے پلٹ گئے ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ان کو اندر آنے کی اجازت مل گئی تھی۔

"یار کتنا اچھا محل تھا نا!" سدرہ نے باہر آتے ہی کہا۔

"ہاں بس یہاں کی صفائی اور پینٹ وغیرہ کر دیا جائے تو اور بھی اچھا ہو جائے!" ابو بکر نے بھی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب واپس چلو گھر جا کر اس محل کو ڈسکس کر لینا کافی دیر ہو گئی ہے..."

وہ دوپہر بارہ بجے کے قریب آئے تھے لیکن اب چار بج چکے تھے۔ فیصل کے کہنے پر سب کو وقت گزرنے کا احساس ہوا تو سب ہی تیز تیز قدموں سے واپسی کو بڑھنے لگے۔ کیونکہ واپسی تک چھ بج ہی جاتے جتنی ان سب کی چلنے کی سپیڈ (speed) تھی۔ اگرچہ بجے واپس جاتے تو کوئی اور کلاس لے نہ لے دادی نے ضرور لے لینی تھی سو وہ اپنی بھرپور کوشش سے تیز تیز چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اف میں بہت تھک گئی ہوں! مزید نہیں چلا جائے گا مجھ سے..." سدرہ نے تھک کر ندی کنارے بیٹھتے کہا تو باقی سب بھی تھکن سے چوروں ہیں بیٹھ گئے تھے۔

"دیکھ لیا! میں نے کہا تھا نہ کہ گاڑی لے آتے ہیں لیکن مجال ہے جو تب میری سن لیتے! تب بھی پیدل چلنے کا شوق سوار تھا، اب تھک کر بیٹھ گئے ہیں سب، خود تو دادی سے مرو گئے مجھے ساتھ مفت میں مرواؤ گے!" فیصل نے سب کو تھکے بیٹھے دیکھ کر اپنی بھڑاس نکالی تھی۔

"ہاں ہمیں نہیں پتہ تھا لیکن تمہیں معلوم تھا کہ راستہ لمبا ہے تو جیسے تم ہر کام میں من مانی کرتے ہوئے ابھی بھی کر کے لے آتے گاڑی!" آصف کے ڈھٹائی سے کہنے پر باقی تینوں نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکائے، غلطی واقعی ان کی تھی۔ لیکن اب مانے کون!

"اسے کہتے ہیں الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے...، ہو نہ!"

"اچھا اچھا اب جھگڑو نہیں کچھ دیر بیٹھ جاتے ہیں پھر چلتے ہیں اور گھر پہنچنے تک کوئی معقول بہانہ ڈھونڈ لیں گے!" لبنیہ کے کہنے پر فیصل بھی خاموشی سے پانی میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھ گیا۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا ہر طرف سیلو (yellow) ہی سیلو!" لبنیہ نے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے کہا۔

"ہاں لیکن ابھی دیکھنا ایک دو منٹ میں یہ سب گرین (green) ہو جانا ہر طرف سبز ہی ہونا ہے! مجھے وہ منظر زیادہ دلکش لگتا!" فیصل نے مزید بتایا۔

کافی دیر کے بعد آخر کار وہ واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ابھی وہ کچی سڑک پر تھوڑا ہی آگے آئے تھے جب پیچھے سے ہارن کی آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے! تُو نے دادی سے بچا لیا ہے!" فیصل نے اپنے پیچھے پر اڈو میں خضر کو دیکھتے وہیں چمکتے ہوئے کہا اور فر سے خضر کی سائیڈ پر شیشے پر جھک گیا۔ باقی سب بھی آصف کے اشارہ کرنے پر اس کے پیچھے آکھڑے ہوئے۔

"تم سب کہاں آوارہ گردی کر رہے ہو؟" خضر نے سب پر باری باری نگاہ دوڑائی لیکن ایک پل کو اسکی نظر اس پر ٹھہر گئی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ لیکن خضر کے دیکھتے ہی فوراً نگاہیں پھیر گئی تھی۔

"ارے بھائی چھوڑیں نہ یہ سب بعد میں بتاتا ہوں، پہلے آپ ہمیں فوراً گھر پہنچادیں۔ ورنہ دادی نے آج مجھ سے سارے جنموں کے بدلے لے لینے ہیں!" فیصل نے جلدی جلدی سے اپنی بات مکمل کی۔ خضر جو لبینہ کو دیکھ رہا تھا چونک گیا۔

"نہ... جیسے آئے ہو ویسے ہی چلو...! مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا!"

"بھائی...!" خضر کے دو ٹوک انداز پر فیصل رو ہانسا ہو گیا۔

"بھائی پلیز لے جائیں نا! صحیح بات ہے اگر صرف فیصل کو ڈانٹ پڑنی ہوتی تو میں کبھی بھی نہ کہتا، پر کیا کروں اب ہم سب معصوموں کو بھی پڑ جانی تو پلیز مان جائیں نا" آصف نے بھی کہا۔

"مان جائیں نا...، ایک تو روزہ، اوپر سے اتنی دور چل کر جانے کی ہمت نہیں رہی اب، پلیز بھائی، میرے پیارے بھائی...، چلیں ہمیں تو چھوڑیں ان تینوں کا ہی خیال کر لیں پہلے ہی سوکھی لکڑیاں ہیں۔ مزید سوکھ کر ماچس کی تیلیاں ہو جائیں گے۔"

"کیا...؟ ہم سوکھی لکڑیاں؟" فیصل کی بات پر لبینہ نے غصے سے اسے گھورا تھا۔

"ارے یار اس پر گھر جا کر بات کر لیں گے پہلے بھائی کو تو مسکے لگا لینے دو!" فیصل نے تھوڑا پیچھے کو گھوم کر سرگوشی کی حالانکہ آواز خضر تک بخوبی پہنچ گئی۔

"مسکے باز! چلو بیٹھو گاڑی میں، مہمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کبھی نہ بٹھاتا تم دونوں کو!" خضر کے کہنے پر لبینہ نے ایک پل کو اسے دیکھا لیکن وہ فیصل کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔ خضر کے کہنے کی دیر تھی کہ فیصل نے سب کو گاڑی میں جلدی جلدی گھسیڑا اور خود آگے والی سیٹ پر خضر کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"بھائی سپیڈ تیز کریں! دادی کو پہلے ہی مجھ سے بیر ہے، آج تو کوئی کسر نہیں چھوڑنی دادی نے۔"

فیصل نے فکر مندی سے کہا تو خضر نے تھوڑی سپیڈ تیز کر دی۔

"ویسے فیصل مجھے سمجھ نہیں آتی تمہاری دادی کے ساتھ بنتی کیوں نہیں ہے؟ وہ اتنی اچھی ہیں۔"

لبینہ کے کہنے پر فیصل نے پیچھے مڑ کر لبینہ کو گھورا۔

"دادی اچھی ہیں؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"obviously"

"اسے کہتے ہیں دُور کے ڈھول سہانے...!" فیصل کے کہنے پر آصف اور خضر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اور رہی بات، بات بنتی کیوں نہیں تو دادی محترمہ کو پوتی کی خواہش تھی جو ان کے پاس رہ کر ان کی خدمتیں کرتی!

چونکہ میری اب کوئی بہن تھی نہیں اور تم لوگ لاہور میں تھیں تو دادی نے ہمیں اپنے پوتے کم پوتیاں زیادہ سمجھ لیا ہے! جو کہ میں نہیں بن سکتا!"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ دادی ہم سے لڑکیوں والے کام کرواتی ہیں۔ یعنی جب خود کا پکانے کا دل کرے تو ملازموں کی چھٹی کروا کر ہمیں کچن کے کام دے دیتی ہیں۔ کبھی مٹر نکالو، کبھی دھنیا کاٹو، تو کبھی یہ تو کبھی وہ! اور کبھی کبھی تو سر میں تیل

بھی لگواتی ہیں! میں صاف دامن پچا لیتا ہوں۔ جس سے دادی مجھے نکما، کام چور، نالائق اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھتی ہیں!" فیصل کے تفصیلی جواب پر سب ہی ہنس پڑے تھے۔

"یار تم لوگ! میجن (imagine) کرو فیصل کو کبھی دادی کے سر پر تیل لگاتے تو کبھی دھنیا کاٹتے.....!" آصف کے کہنے پر سب کے قہقہے فضا میں بلند ہو گئے۔

"یہ سب تیری جی حضوری کی وجہ سے ہوتا ہے! خود تو، جی دادی ابھی کر دیتا ہوں!" کہہ کر پھنستے ہو، مجھے ساتھ مفت میں نکما بنوا دیتے ہو!

فیصل نے آصف کی نقل اتارتے کہا تو پھر سے دونوں میں نوک جھوک چل پڑی جس سے خضر مسکرانے لگا اور گاڑی کی سپیڈ تیز کر دی۔ گاڑی گاؤں کے کچے راستے پر دھول اڑاتی آگے کو بڑھنے لگی۔

"بیٹا میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں نا خضر اور لبینہ کا نکاح 27 ویں شب کو کر دیا جائے!" دادی نے شام کو سب کو اکٹھا کیا اور اس موضوع پر بات شروع کر ہی دی آخر کو سب کی مرضی اسی میں تھی تو پھر دیر کیسی؟

"جی اماں جان میں بھی یہی چاہتا ہوں! لبینہ ذرا گاؤں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں سب کے ساتھ یہیں آگیا۔ جس طرح وہ یہاں گھل مل گئی ہے مجھے لگتا اب اس کی گاؤں کے معاملے میں رائے بھی تبدیل ہو گئی ہوگی!"

"اسی لیے میں تمہیں لاہور نہیں بھیج رہی تھی۔ تمہارے مرحوم ابا نے ہی تمہیں وہاں کاروبار کرنے کی اجازت دیے دی تو تمہیں وہاں رہنا پڑا! ظاہر سی بات ہے بچیاں شہر میں پلی بڑی ہیں، وہاں کے اچھے ماحول میں رہی ہیں۔ وہ کیسے اچھا سمجھتیں، کیسے ڈھلتیں اس ماحول میں؟" دادی جان نے افسردگی سے کہا تھا۔

"اماں جان وہ ڈھل جائے گی اس ماحول میں!"

اللہ تعالیٰ نے عورت میں اتنی لچک رکھی ہوتی کہ اس کو جس سانچے میں ڈھالا جائے وہ ڈھل جاتی ہے! اور اگر وہ سانچہ محبت کا بنا ہو تو وہ بہت خوبصورتی سے خود بخود اس سانچے میں خود کو ڈھال لیتی ہے! اور یہاں سب اسے محبت دیں گے! بلقیس بیگم نے بھی محبت سے کہا۔

"اماں جان آپ فکر نہیں کریں لبینہ راضی ہو جائے گی! اور اب تو وہ سارا ماحول خود سے دیکھ چکی ہے۔ اتنا اچھا ماحول ہے! انکار کا جواز ہی نہیں بنتا!" آسیہ بیگم کے کہنے پر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔

"ہمم ٹھیک ہے تم لبینہ سے بات کر لو پھر ہم ستائیسویں شب مقرر کر دیتے ہیں خضر اور لبینہ کے نکاح کی۔ رخصتی لبینہ کی پڑھائی کے بعد کر دیں گے!"

دادی کے کہنے پر آسیہ بیگم نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی اماں جان میں آج ہی بات کرتی ہوں!"

لبینہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی موبائل کے ساتھ لگی تھی جب آسیہ بیگم دروازہ ناک گرتی اندر آئیں۔ اس نے بھی موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"لبینہ تمہیں یہاں آکر کیسا لگا ہے؟ یہاں کے لوگ، یہاں کا ماحول؟"

آسیہ بیگم نے بات شروع کرتے پوچھا تھا۔

"بہت اچھا ماما! لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ گاؤں ہے۔ سب لوگ اتنا پیار کرتے ہیں۔ کتنے اچھے ہیں سب!" لبینہ نے سچے دل سے تعریف کرتے کہا تھا۔

"گاؤں تو اچھا لگا! اور خضر...؟" آسیہ بیگم نے بیٹی کو جانچتے پوچھا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہاری خاموشی سے میں یہ سمجھوں کہ تمہیں ابھی بھی خضر اچھا نہیں لگا؟ سب دیکھنے کے بعد بھی تم اسے پینڈو کا لقب ہی دو گی؟" آسیہ بیگم نے سخت لہجے سے پوچھا تھا۔ وہ حیران تھیں کہ لبنہ ابھی بھی راضی نہیں تھی۔

"نہیں ماما ایسی بات نہیں ہے! شاید اچھا ہے خضر بھی! لیکن وہ سب فیملی سے کھینچا کھینچا سا ہے! وہ شاید اپنی فیملی کو ٹائم نہیں دیتا۔ میں اپنے لیے کسی ایسے ہمسفر کا انتخاب کیسے کر لوں جو اپنی فیملی کے ساتھ لیا دیا سارے۔ وہ میرے ساتھ کیسے اچھے سے رہ سکتا ہے؟" لبنہ نے الجھن بھرے لہجے میں دل کی بات کو زبان دی تھی۔

"نہیں بیٹا تم اسے غلط سمجھ رہی ہو وہ اپنی فیملی سے بہت محبت کرتا ہے۔ ہاں ابھی شاید کام کی وجہ سے تھوڑا بڑی

ہے۔"

"لیکن ماما پھر بھی مجھے ابھی ٹائم چاہیے!"

"ٹھیک ہے بیٹا! ہم تم پر کسی بھی قسم کا دباؤ نہیں ڈالیں گے۔ تم جتنا مرضی وقت لے لو۔ لیکن اگر تم خضر کے بارے میں سوچو گی سمجھو گی تو تمہیں فیصلہ لینے میں آسانی ہو گی!" آسیہ بیگم کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلادیا تو وہ لبنہ کو پیار کرتی باہر چلی گئیں۔ اس کی نظروں میں خضر کا سراپا لہرا گیا تو لبنہ زیر لب بڑبڑانے لگی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہوں...، خضر! خضر علی!"

"فیصل ایک بات پوچھوں تم سے؟" فیصل اور لبنہ لان کی چیئر زپر براجمان تھے جبکہ آصف کو دادی نے ساتھ والے گھر کسی کام سے بھیجا تھا۔ ابو بکر اور سدرہ سوچ رہے تھے کہ آج کیا گیم کھیلی جائے یہ تو طے تھا کہ آج فیصل کی پسندیدہ گیم بالکل نہیں کھیلنی اسی لیے آصف سدرہ اور ابو بکر کو سوچنے کا کہتا خود چلا گیا تھا۔ وہ دونوں لان میں دوسری سائیڈ پر چکر لگاتے ڈسکس کر رہے تھے کہ کیا کھیلا جائے!

"چلو جاؤ کنیز تمہیں دی اجازت! جاؤ پوچھ لو آج جو پوچھنا ہے! بھلے ہی اس عالی شان محل کے راز ہی پوچھ لو! آج یہ بادشاہ تم پر سب راز افشاں کر دے گا!" فیصل کے شاہانہ انداز پر لبینہ مسکرا دی تھی۔ جب سے وہ لوگ محل دیکھ کر آئے تھے تب سے اکثر فیصل ایسے ہی بادشاہی انداز اپنائے ہوئے تھا۔

"اچھا اب پوچھ بھی لو... کہیں تم واقعی اس محل کے راز جاننا چاہ رہی ہو؟ فیصل نے اپنے شاہی انداز کو پرے رکھتے مصنوعی فکر سے پوچھا تھا۔

"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بس یہ پوچھ رہی تھی کہ... تم دونوں تو ایگزام سے فارغ ہو اسی لیے گھر ہوتے ہو...، لیکن خضر گھر میں بہت کم پایا جاتا ہے..." "بھگتے ہوئے آخر لبینہ نے پوچھ ہی لیا تھا کیونکہ جب سے وہ لوگ یہاں آئے تھے خضر کو یہاں کم کم ہی پایا تھا یا تو وہ سحر میں پایا جاتا یا کبھی کبھار افطار میں!

"میرا مطلب ہے کہ کیا تم دونوں کی خضر کے ساتھ نہیں بنتی؟ جس طرح تم اور آصف کلوز ہو ویسے کبھی میں نے خضر کے ساتھ تم لوگوں کو فرینک نہیں دیکھا!" ساتھ ہی اپنی بات کی وضاحت کر دی۔

"ارے یار ہم تینوں ہی ایک دوسرے سے بہت کلوز ہیں۔ ابھی بھائی گندم کے کٹائی ہو رہی تھی تو وہیں کام میں لگے تھے اور ساتھ ساتھ یہاں گاؤں میں سکول تعمیر کروا رہے ہیں اس لیے گھر میں کم کم پائے جاتے ہیں، دادی نے کہا تھا کہ ہم دونوں سے بھی کام لو۔ لیکن بھائی نے کہا کہ ابھی ہم چھوٹے ہیں اور وہ کام کا بوجھ ہم پر نہیں ڈالنا چاہتے بس اسی لیے۔" فیصل کے کہنے پر اس نے محض سر ہلادیا تو اتنی دیر میں آصف بھی آگیا۔ پھر وہ سب باتوں سمیت بیڈ منٹن کھیلنے لگے۔ لیکن لبینہ کو خضر کے متعلق جان کر کافی اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر کیا تھا لبینہ نے جانے انجانے میں خضر کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"خضر بیٹا تم کہاں بڑی ہو؟ کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو!" آسیہ بیگم نے خضر کو تیار باہر جاتے دیکھا تو شکوہ کرتے کہا۔

وہ بھی واپس لاؤنج میں آگیا۔ یہاں سب ہی براجمان بیٹھے تھے۔ وہ بھی دادی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ماما ہم یہاں مہمان ہیں اور مہمان میزبانوں سے شکوے نہیں کرتے!" لبینہ کے کہنے پر خضر سمیت سب نے حیرت سے لبینہ کو دیکھا تھا۔

"نہ دھیے (بیٹی) تم سے کس نے کہہ دیا تم مہمان ہو؟ ایک بار بتا مجھے، ضرور یہ اس فیصل یا آصف نے کہا ہو گا ان کو میں ابھی بتاتی!" دادی نے لبینہ سے کہتے ساتھ ہی آصف اور فیصل کو تیوری چڑھا کر گھورا تھا۔

"ارے نہیں دادی جان آصف اور فیصل نے مجھے کچھ نہیں کہا ہے۔"

"تو پھر کس نے کہا بتا مجھے، میں ابھی خبر لیتی ہوں اس کی! ایسے ہی میری دھی کو مہمان بول دیا!"

"جانے دیں دادی مہمان ہی تو ہیں ہم!" لبینہ نے خفگی سے خضر کو دیکھتے کہا لیکن دوسری طرف وہ ابھی بھی حیران تھا کہ لبینہ نے اسکی کہی بات کو اتنا نوٹ کیا تھا۔

"نہ تُوں بتا تو سہی، ابھی بتاتی ہوں میں اسے!" دادی نے جان لینے کی ٹھان ہی لی تھی سو اس نے بھی بتا دیا۔

"آپ اسے تھوڑا ڈانٹیں گی، خیر پھر بھی بتا ہی دیتی ہوں، آپ کے لاڈلے پوتے خضر نے کہا" لبینہ کے خفگی بھرے لہجے پر باقی سب بھی حیران ہوئے کہ بھلا خضر نے ایسا کیوں کہا۔ جب دادی نے خضر کو گھورا تو وہ اپنی جگہ ہڑبڑاہی تو گیا کیونکہ کبھی اسے دادی کے غصے کا سامنا جو نہیں کرنا پڑا تھا۔

"نہ... نہیں دادی جان وہ...، ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے! میں نے بالکل نہیں کہا!"

"کتنے جھوٹے ہیں آپ...! سب نے سنا تھا آپ نے ہمیں مہمان بولا!"

لبینہ نے اپنی جگہ چھوڑتے دادی کے پاس آتے کہا۔

"کیا...؟ لیکن کب...؟" خضر نے انجانے پن کے سارے ریکارڈ توڑتے کہا۔

"فیصل، آصف، سدرہ، ابو بکر! بتاؤ سب کو جب اس دن ہم گاؤں کی سیر کو گئے تھے، واپسی پر جب یہ ہمیں لے کر آئے تھے!" لبینہ نے چاروں کی طرف دیکھتے کہا۔

"کیا یار آپ! ہمیں تو یاد بھی نہیں ہے!" خضر کے آنکھیں دیکھانے پر سب نے ہی اپنا بیان بدل لیا تھا۔

"اچھا چھوڑو بیٹا کیا بحث کر رہی ہو؟" آسیہ بیگم نے لبینہ کو ٹوکا تو وہ غصے سے پہلے خضر کو تو بعد میں ان چاروں کو گھورتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی!

"کیوں تنگ کیا میری دھی کو؟" دادی نے خضر کے کان کھینچتے کہا۔

"ارے میری پیاری دادی جان...! چھوڑیں نہ! میں کونسا آپکی چیمتی کو روز تنگ کرتا ہوں۔ کبھی کبھار تنگ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا!" خضر کے کہنے پر دادی نے کان چھوڑتے ہی ایک ہلکی سی چیخ برسرید کر دی تو سب ہی مسکرا دیے تھے۔

"ویسے لبینہ تو ناراض ہو گئی ہے، اب کیا کیا جائے...؟" فیصل نے فکر مندی سے کہا۔

"ارے کمبخت میں نے کتنی بار تم دونوں کو کہا ہے 'باجی' بولا کرو! تم دونوں سے بڑی ہے!"

"ارے دادی! لبینہ بولنے سے وہ مایہ ناز کرے نہ کرے لیکن باجی بولنے پر آپکی دھی نے نہ صرف خفا ہو جانا بلکہ تمہارا پنڈ (گاؤں) ہی چھوڑ کر بھاگ جانا۔" آصف کے کہنے پر سب ہی ہنس دیے۔

"تو چل کوئی نہ تُوں وہ بول لیا کرنا جو ابو بکر اور سدرہ بولتے ہیں 'آپی'!"

"نہ...! ہم نے لبینہ ہی بولنا ہے دادی! آپ کو ہمارے لبینہ بولنے پر اعتراض ہے تو آپ اس کا نام ہی بدل ڈالو! نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!" فیصل نے ڈھٹائی سے کہتے کام ہی ختم کیا۔

"کمبخت! تجھے میں بتاتی ہوں! پہلے ہی کام چور تھا اب زبان دراز بھی ہو گیا ہے!" دادی نے اُٹھتے ہوئے کہا تو فیصل نے بھی دوڑ لگا دی۔ باقی سب ہنستے ہوئے دونوں کو دیکھنے لگے۔

"آپ نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟" وہ رات کو اپنے کمرے میں جا رہا تھا جب لبینہ کی پیچھے سے آواز آئی۔

"کونسا جھوٹ؟" خضر نے پیچھے مڑتے لا علمی کا مظاہرہ کیا! جانے کیوں لبینہ کو بُرا لگا وہ شاید سمجھ رہی تھی یا شاید اُمید تھی کہ وہ کچھ کہے گا۔ کوئی بات، کچھ تو کہے گا... لیکن اس کی یہ اُمید خضر کی لا علمی سے مُرجھا ہی گئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں!" لبینہ خفگی سے کہتی پلٹ گئی وہ وہیں کھڑا ایک پل کو حیران رہ گیا۔ کیا یہ وہی لبینہ تھی جس نے بلا جھجک دو ٹوک انداز میں نہ صرف شادی سے انکار کر دیا تھا بلکہ جانے کیا کیا بُرا بھلا بھی کہہ دیا تھا! اور اب لبینہ کا یہ رویہ، یوں ناراض ہونا، کیا تھا؟ خضر کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا لیکن شاید لبینہ خود بھی نہیں سمجھ پارہی تھی کہ کیوں وہ خضر سے گلہ کر چکی تھی؟ بات اتنی بڑی نہیں تھی کہ وہ دل پر لے لیتی۔

پھر کیا تھا ایسا...؟

لبینہ کی وہ ناراضگی کچھ پل کی ہی تھی پھر سے وہ سب یوں ہی اکٹھے کھینے اور گپیں لگانے لگے تھے۔ اب خضر کی مصروفیات بھی کم تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ بھی گھر میں ہی پایا جاتا تھا۔ اکثر اوقات ان کے ساتھ بھی وقت گزار لیتا۔ لبینہ نہ چاہتے ہوئے بھی خضر کے متعلق سوچنے لگی تھی اور شاید اسے اچھا بھی لگنے لگا۔

اب کی بار جب آسیہ بیگم نے دوبارہ پوچھا تو اس نے بھی اپنے دل کی خاطر اس رشتے کے لیے رضامندی دے دی تھی۔ اس کے اقرار پر دادی لبینہ کی بلائیں لیتی پھولے نہیں سمارہی تھیں!

ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن اس کے باوجود دادی نے نعیم صاحب سے ایک بار پھر خضر سے رضامندی جان لینے کا کہا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ بات کرنے کے لیے خضر کے روم میں چلے آئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اب کسی بھی قسم کی تاخیر کی جائے۔

"ارے ابو جان! آئیے نا...! وہاں کیوں کھڑے ہیں؟" خضر نے اپنے روم کے پاس کھڑے نعیم صاحب کو دیکھتے کہا اور خود بھی بیڈ سے اُٹھ گیا۔ نعیم صاحب مُسکراتے ہوئے دروازہ ہلکا سا بند کرتے اندر آ گئے۔

"کیا کر رہے ہو بر خوردار؟"

"کچھ نہیں ایسے ہی...، آپ بیٹھیں نا...!"

"میں تمہارے پاس...، تمہاری رضامندی جاننے کے لیے آیا ہوں!" نعیم صاحب نے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا تھا۔

"جی ابو جان! کس بات کی رضامندی...؟"

"بیٹا وہ تمہاری اور لبینہ کی شادی کے لیے تمہاری رضامندی جاننے آیا ہوں! لبینہ بیٹی رضامند ہے۔ ہم سب چاہتے

ہیں کہ تمہارا اور لبینہ بیٹی کا نکاح 27 رمضان کو کر دیا جائے! تم اس بارے میں کیا چاہتے ہو؟"

"سوری ابو جان...، میں لبینہ سے شادی نہیں کر سکتا!" خضر کے سنجیدگی سے انکار کرنے پر نعیم صاحب کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"لیکن کیوں؟ پہلے تم رضامند تھے!"

"ابو جان وہ پہلے کی بات تھی!" خضر نے اسی سنجیدگی سمیت جواب دیا۔

"کیوں پہلے بات اور تھی؟ اب ایسی کیا برائی تم نے دیکھ لی لبینہ میں جو تم انکار کر رہے ہو؟ کہیں تم اس وجہ سے انکار تو نہیں کر رہے کہ پہلے اس نے شادی سے انکار کیا تھا؟"

"اگر آپ برائی ہی جاننا چاہتے ہیں تو بتا دیتا ہوں میں...، کیا آپ میں سننے کی ہمت ہوگی ابو جان؟" خضر نے اپنے بیٹے سے اُٹھتے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف قدم بڑھاتے کہا۔

"اگر تم نے ایک لفظ بھی لبینہ کے خلاف کہا...، یاد رکھنا خضر! مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا!" نعیم صاحب نے غصے سمیت کہا۔

"تو اب آپ ہی بتائیں میں ان سے شادی کے لیے ہاں کیوں کروں؟ جو ہماری باتیں چوری چوری سماعت فرما رہیں تھیں!" خضر نے اپنی آنکھوں میں چمکتی شرارت سمیت ایک دم دروازہ پورا کھولتے کہا۔

سامنے لبینہ کھڑی تھی جو نعیم صاحب کو بلانے یہاں آئی تھی لیکن اپنا ذکر سن کر اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں سمیت یہیں رک گئی، وہ خضر کا جواب جاننا چاہتی تھی...! وہ جاننا چاہتی تھی کیا خضر بھی ویسا ہی محسوس کرتا ہے جو وہ اپنے دل میں خضر کے لیے محسوس کرنے لگی تھی؟ اور اب ایک دم دروازہ کھلنے پر بڑبڑا گئی۔ خضر دوازے سے جھلکتا لبینہ کا دوپٹہ دیکھ چکا تھا۔ نعیم صاحب بھی پہلے تو حیران رہ گئے۔ پھر خضر کی شرارت کو سمجھتے مسکرانے لگے، لبینہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"وہ... وہ دادی جان... نے بلایا... تھاتایا... جان... کو!" لبینہ نے ہکلاتے ہوئے کہا اور فوراً وہاں سے بھاگ گئی۔

"ہاہاہاہا... کیوں تنگ کیا میری بیٹی کو؟" نعیم صاحب نے لبینہ کے جانے کے بعد قہقہہ لگایا پر وہ محض سر کھجانے لگا۔

"اور اب میرا نہیں خیال کہ تمہاری طرف سے انکار کی گنجائش ہوگی!" نعیم صاحب کے کہنے پر وہ مسکرا دیا تو انہوں نے خضر کو گلے لگا لیا۔

"ہمیشہ خوش رہو!" نعیم صاحب کہتے چلے گئے۔ وہ بھی مسکراتا ہوا بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

پھر کیا تھا ایک عید کی تیاریاں اور ساتھ میں نکاح کی تیاریاں! ہر طرف چہل پہل تھی باراز کے چکر لگنے لگے۔ خضر کے کہنے پہ ڈھولک وغیرہ کو کینسل کر دیا گیا تھا۔ صرف نکاح کی تقریب منعقد کی گئی۔ جو کہ گھر میں ہی تھی۔ جس میں سارے گاؤں کو انوائٹ کیا گیا تھا۔

آج بھی وہ لوگ شاپنگ پر آئے تھے۔ صبح گیارہ بجے سے آئے تھے ابھی تین بج گئے لیکن ان کی شاپنگ تھی کہ ختم ہی نہ ہو رہی تھی۔ کل نکاح تھا وہ لوگ آج ہی سب ختم کرنا چاہتے تھے سو شاپنگ میں لگے تھے سب۔ اللہ اللہ کر کے شاپنگ مکمل ہو ہی گئی! آسیہ بیگم اور بلقیس بیگم ڈرائیور کے ساتھ گھر کو روانہ ہو گئیں۔ سدرہ اور لبینہ، خضر کے ساتھ چلی گئیں کیونکہ لبینہ کی فرمائش تھی کہ اب سیالکوٹ آئے ہیں تو کیوں نہ اقبال ہاؤس بھی دیکھا جائے!

وہ لوگ پر میشن کے بعد اقبال ہاؤس میں داخل ہو گئے جہاں پر علامہ محمد اقبال کی تصاویر لگائی گئی تھیں۔ اور کہیں کہیں ان کی شاعری بھی فریم کر کے دیواروں کے ساتھ لگائی گئی تھی۔

"بہت ساری علامہ اقبال کی پوسٹری (poetry) کی اردو اور فارسی میں کتابیں بھی تھیں۔ کچھ دیر وہاں کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ لوگ باہر نکلے آئے۔ روزہ کھلنے میں 15 منٹ باقی تھے۔ خضر نے ان لوگوں کو وہیں کے قریبی ہوٹل میں افطاری کروادی۔ اس کے بعد وہ واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ سارا رستہ وہ لوگ باتیں کرتے آئے اور خضر بھی ان کو سیالکوٹ سے متعلق معلومات فراہم کرتا رہا۔

ستائیسویں شب آہی گئی۔ سب مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ افطار کے ایک گھنٹے بعد کا ہی فنکشن رکھا گیا تھا۔ تاکہ جلد از جلد نکاح کی رسم ادا کرنے کے بعد اس طاق رات کی فضیلتوں سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکے زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے۔ سو سب کام جلد از جلد کئے جا رہے تھے۔ سب مہمان آپکے تھے۔ نکاح کی رسم بھی ادا کی جانے لگی۔ یوں پھر خضر اور لبینہ کا نکاح ہو گیا۔ سب ہی خوش تھے۔ آصف اور فیصل دونوں کو خوب تنگ کر رہے تھے۔ دادی کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ دونوں کی بلائیں لیتی نہیں تھک رہی تھیں۔ لیتیں بھی کیوں نہ! دونوں کی جوڑی بھی جو خوب بچ رہی تھی۔ سب کی نگاہوں کا مرکز اس وقت لبینہ اور خضر ہی تھے۔ ایسے ہی فیصل، آصف، سدرہ اور ابو بکر کے ہنسی مذاق میں، خوشیوں کے سنگ یہ تقریب بھی اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ وہ سب بھی مہمانوں کو رخصت کرتے اندر چلے آئے۔ اندر آنے کے بعد فیصل اور آصف پھر سے شروع ہو گئے تو دادی نے سب کو ڈانٹ دیا اور لبینہ کو اس کے کمرے میں بھیج دیا۔

لبینہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے خود کا جائزہ لیا اور دیکھتے ہی مسکرا دی۔

"وہ پیچ کلر کی میکسی میں ملبوس تھی، جس کے اوپر سٹون سے کام کیا گیا تھا۔ سو فٹ سے میک اپ سمیت بالوں کو اچھا سا ہئیر اسٹائل دے کر، کرلز ڈالے ایک کندھے پر سیٹ کیا گیا تھا۔ ایسے میں وہ حد درجہ پیاری لگ رہی تھی۔

"ہوں... مسز خضر...!" خود ہی دہراتے، دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا وہ مسکراتے ہوئے خود کو جھٹکتے جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

"جب نیچے آئی فیصل، آصف سمیت بڑے بھی چادر، جائے نماز، تسبیح ہاتھ میں پکڑے چھت کی طرف گامزن تھے۔

"سب چھت پر کیوں جا رہے؟" لبینہ نے حیرت سے پوچھا!

"یار آج موسم بہت اچھا ہے اور طاق رات بھی ہے۔ اس لیے آج ہم لوگ عبادت چھت پر کریں گے اسی لیے جا رہے ہیں۔ میں، آصف اور ابو بکر کو لے کر مسجد جاؤں گا۔ وہاں سے واپسی سحری میں ہی ہوگی جبکہ باقی خواتین چھت پر جا رہی ہیں۔ اگر تمہیں نیچے عبادت کرنی تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ویسے مجھروں کی فکر نہ کرو تم لوگ! اسپرے کروادی ہے اور پنکھے بھی لگوا دئے۔" فیصل نے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا وہ بھی سب کے ساتھ چھت پر چلی گئی۔

جہاں تازہ ہوانے اس کا استقبال کیا مساجد سے عبادت کی آواز روح تک کو سکون فراہم کر رہی تھی۔ ایسا بھلا ہو سکتا؟ اس ذات (اللہ) کا ذکر ہو اور روح تک سرشار نہ ہو۔ سو سب ہی وہیں بستر لگائے زمین پر بیٹھ گئے جبکہ کچھ چارپائیاں بھی بچھی تھیں جہاں بڑے بیٹھ گئے۔ سب گھروں کے چھتوں پر لوگ جاگ رہے تھے، عبادت کر رہے تھے۔ وہ لوگ بھی عبادت کرنے لگے۔ جو کہ صبح تک کی گئی اس کے بعد سب روزہ رکھنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

نکاح کے بعد سے خضر اور لبینہ کا آنا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔

"ارے کیوں چھت پر جا رہے ہو؟" لبینہ نے آگے آصف اور پیچھے ان تینوں کو چھت کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا؛

"مجھ پر زیادہ ہو گئے تو سوچا ان کا خاتمہ کر دیا جائے" آصف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یار آپ! چاند دیکھنے جارہے ہیں۔ کل عید ہوگی یا نہیں!" ابو بکر نے جواب دیا اور جلدی جلدی چھت پر چلے گئے وہ بھی ان کے پیچھے ہوئی۔

"کیا یہاں سے چاند نظر آئے گا؟" لبینہ نے آسمان کی طرف دیکھتے پوچھا جس پر فیصل ہنس دیا تھا۔

"ہم کون سے حلال کمیٹی کے ممبر ہیں! جو چاند دیکھنے آلات کے ساتھ موجود ہیں!"

"پھر کیوں آئے ہیں یہاں؟" لبینہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"یار ہم تمہیں سیدھی طرح بتا دیتے تو تم کبھی نہ آتیں ہمارے ساتھ۔ تو وہ دیکھو وہاں!" فیصل سمیت سب نے ایک دم سامنے نیچے کی اور اشارہ کیا اس نے بھی وہاں دیکھا۔ سامنے خضر وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔ زیادہ دوری نہ ہونے کے باعث صاف نظر آ رہا تھا۔

"آپ! کیسا لگا چاند؟" سدرہ کے کہنے پر لبینہ نے ایک تھپڑ اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

"انتہائی فضول ہو!" لبینہ کہتی نیچے کو بھاگ گئی۔

لبینہ کے یوں بھاگ جانے پر سب قہقہہ لگا کر ہنس دیے تو پیچھے سے فیصل نے ہانک لگائی۔

"ارے بھابھی بتاتی تو جاؤ...! کیسا لگا چاند!" فیصل کی بات کو ان سنی کرتی وہ نیچے چلی گئی۔ جبکہ باقی وہیں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ جب مساجد میں کل عید ہونے کی نوید سنائی گئی تو سب خوشی سے چہک اٹھے تھے۔

عید کی نماز کے بعد سب لوگ ہی لاؤنچ میں جمع ہو گئے۔ فیصل اور آصف نے 'عیدی! عیدی!' کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ سدرہ اور ابو بکر نے بھی ان کو دیکھے عیدی کے نعرے لگائے۔ تو دادی نے بڑے ہونے کا حق ادا کرتے بچوں سمیت بڑوں کو بھی عیدی اور پیار دیا۔

"میری سدا کی کنجوس دادی! آج تو عیدی زیادہ دے دو!" فیصل کی باری آنے پر اس نے حنکی سے کہا۔ دادی نے پہلے تو گھورا پھر مزید دوہرے ہرے نئے نوٹ نکال کر دے دیے۔

پھر باری باری سب نے ہی عیدی دی۔ اور فیصل اور آصف سب سے بڑھا بڑھا کر خود تو عیدی لے ہی رہے تھے ساتھ میں ان تینوں کو بھی دلوائی اور ساتھ نصیحت بھی کرتے رہے۔

"ابھی سے پریکٹس کر لو کہ پہلی بار جتنی عیدی دی جائے ہم نے اس سے زیادہ کی ڈیمانڈ کرنی ہے!"

"چلیں بھائی عیدی نکالیں آپ بھی!" فیصل اور آصف خضر کے گرد ہو گئے، ساتھ میں سدرہ اور ابو بکر کو بھی لے لیا۔ جتنی عیدی خضر کہتا وہ اس سے زیادہ کی ڈیمانڈ کرتے۔ خضر نے بھی ان کو خوب تنگ کرتے اینڈ میں عیدی دے ہی دی۔

"ببینہ کی عیدی؟" آصف نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے بھئی! جو کہے گا اسے ملے گی، ورنہ چھٹی!" خضر نے ببینہ پر نگاہیں گاڑے کہا جس پر وہ زروس ہو گئی لیکن پھر مسکرا دی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میری عیدی؟" ببینہ نے اس کی طرف اپنی ہتھیلی پھیلاتے کہا۔ خضر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بھلا خضر کو کہاں توقع تھی اور پھر پورا والٹ ہی اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ جس سے سب نے شور کرنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بلا کا اعتماد ظاہر کرتی والٹ سے چند نوٹ نکالتے والٹ واپس اسی کی طرف بڑھا دیا۔

"بھائی ہمیں بھی اپنے پورے والٹ والی عیدی دیں نا!" فیصل نے خضر کو چھیڑتے کہا۔

"ہاں بھائی صحیح بات ہے ہم ذرہ نہیں شرمائیں گے ببینہ کی طرح، پورے والٹ کی صفائی کر کے لوٹا دیں گے!" آصف نے بھی کہا اور دونوں کو تنگ کرنے لگے۔

لبینہ آسیہ بیگم اور بلقیس بیگم کے پاس چلی گئی جو عیدی دیتے ہی کچن میں عید کیلئے پکوان بنانے کیلئے آگئیں تھیں۔
یوں ہی سارا دن کھانے پینے، گپوں اور مستی میں گزر گیا۔

مہتاب صاحب نے ہفتے کو جانے کا کہہ دیا جس پر سب ہی اداس ہو گئے۔ لیکن جانا تو تھا ہی! دادی نے بھی مزید رکنے کا کہا۔ لیکن کاروبار کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید وہ رُک ہی جاتے۔ پہلے ہی وہ یہاں رہ کر مشکل سے کاروبار کو ٹائم دے رہے تھے۔ وہ تو شکر تھا کہ خضر اکثر لاہور کا چکر لگا کر کام سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اب ان کو واپس جانا تھا!

"یار تم لوگ رُک جاتے نا! اتنا مزہ آتا تم لوگوں کے ساتھ!" فیصل نے اداسی سے کہا۔

"جانا بھی تو ہے نا...! میری بھی یونیورسٹی اسٹارٹ ہو گئی ہے اور ابو بکر اور سدرہ نے بھی کالج جانا۔" لبینہ خود بھی اداس تھی۔

"ہوں...!"



فیصل نے اداسی کا تاثر دیا۔

"ہم جلد آئیں گے!" سدرہ کے کہنے پر وہ لوگ محض مسکرا دیئے...

وہ بالکونی میں اداس سی بیٹھی تھی جب اسے اپنے پیچھے آہٹ کا احساس ہوا۔ پلٹ کر دیکھا تو سامنے خضر کھڑا تھا۔ خضر کو دیکھتے اس نے نظریں جھکا لیں...! عید کے بعد سے اس کا خضر سے اب سامنا ہوا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے اب تمہیں؟ اپنی ہار دیکھ کر!" خضر کے طنزیہ انداز پر اس نے خضر کو سوالیہ انداز میں نا سمجھی سے دیکھا تھا مگر کچھ کہہ نہ سکی۔

"اوہ...، تمہیں سمجھ نہیں آئی؟ چلو میں بتا دیتا ہوں!" خضر لبینہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"وہ کیا کہا تھا تم نے...؟ اوہ ہاں یاد آگیا! تم گاؤں جانا تک نہیں پسند کرتی اور کہاں تم ایک پینڈو سے شادی کر لو؟ یہی کہا تھا نہ تم نے؟" خضر کے ہتک آمیز انداز پر لبینہ کا چہرہ خفت سے سُرخ ہو گیا۔ وہ مسلسل خاموشی سے اسے گھورے جا رہی تھی۔

"اب کیسا لگ رہا ہے؟ اسی پینڈو شخص کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گاؤں میں رہنے پر؟" خضر کے ہر انداز میں طنز ہی طنز تھا یہ وہ خضر تو کہیں سے لگ ہی نہیں رہا تھا۔ لبینہ ابھی تک شکوہ سی خضر کو دیکھ رہی تھی۔

"بہت اچھی لگتی ہو یوں خاموش! اسی خاموشی کے ساتھ رہو گی تو اچھی گزرے گی...!" خضر تمسخرانہ انداز میں کہتا واپس چلا گیا جبکہ وہ خضر کے انداز سے اپنی جگہ منجمد رہ گئی۔

"کیا خضر نے میرا انکار سن لیا تھا؟ کیا اس نے صرف مجھے نچاؤ کھانے کے لیے نکاح کیا!" یہ سوچتے ہی لبینہ کی آنکھوں سے نمکین پانی نکلتا گالوں پر لکریں بنانے لگا۔

"اماں جان آپ بھی ناچوں کی طرح لا پرواہی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ میڈیسن ختم ہو گئی تھی۔ ایک بار بتا دیتیں!" بلقیس بیگم نے دادی کو خفگی سے کہا۔

"کیا کروں...؟ پہلے خضر لائے دیتا تھا! اس بار پتہ نہیں کیسے بھول گیا۔ شاید کاموں میں جو الجھ گیا تھا۔ بہوٹوں فکر نہ کر ایک دن سے کچھ نہیں ہوتا۔ خضر کو کال کر دو واپسی پر لے آئے گا۔" دادی نے لا پرواہی سے بات ٹالتے کہا۔

"کیا چل رہا ہے یہاں؟" فیصل سمیت سب نے اندر آتے پوچھا۔

"اماں جان کی میڈیسن ختم ہو گئی اور اب اتنی رات ہو گئی ہے اور خضر بھی گھر پر نہیں ہے، لاہور گیا ہے۔" بلقیس بیگم نے فکر مندی سے کہا۔

"لائیں میں لا دیتا ہوں۔ پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" فیصل نے پرانی میڈیسن والا لفافہ دادی سے لیتے ہوئے کہا۔

"نہ! اس وقت رات کافی ہو گئی ہے توں نہ جانو! ایک وقت کی دوا نہ لینے سے کچھ نہ ہوتا۔ بس توں نہ جانو!" دادی نے صاف منع کر دیا تو فیصل کچھ بھی کہے بغیر باہر چلا گیا۔ لبینہ کو لگا شاید وہ غصہ کر گیا ہے کہ دادی نے اسے جانے سے منع کر دیا۔ وہ فوراً اس کے پیچھے ہوئی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" لبینہ نے اسے بانیک اسٹارٹ کرتے دیکھ کر پوچھا۔

"دادی کی میڈیسن لینے۔ اور یہ تم بھی نہ کہہ دینا بانیک پر نہ جاؤ۔ کیونکہ بابا اور بھائی گاڑیاں لے گئے اس لیے مجھے اسی پر جانا ہے!" فیصل نے لبینہ کو بولنے کے لیے لب واکرتے دیکھ کر پہلے ہی جواب دے دیا۔

"اوائے ہوئے دادی کا پیار جاگ اٹھا!"

"یار جتنا مرضی جھگڑ لیں، تنگ کر لیں، پر اسکا مطلب یہ نہیں ناکہ میں دادی کو پیار نہیں کرتا یا دادی مجھ سے نہیں کرتیں!" فیصل کے کہنے پر وہ مسکرا دی۔

"اور دادی کو بتا دینا میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن مجھے لگتا وہ میری سوتیلی دادی ہیں؟ جو مجھ سے بیرباندھے رکھتیں!" فیصل مصنوعی ناراضگی سے کہتا بانیک زن سے بھگالے گیا۔ وہ بھی سر ہلاتی اندر چلی گئی۔

وہ فیصل کے جانے کے بعد سب کو فیصل کے جانے کا بتا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ جب سے خضر کا رویہ سامنے آیا تھا وہ اُداس ہو گئی تھی۔ ایک پریشانی سی تھی جو اسے گھیرے ہوئے تھی۔ اس نے کسی کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا تھا لیکن اب اکیلی بیٹھی تھی تو پھر سے خضر کا رویہ یاد کرتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"اب کیا ہوگا؟ جانے خضر کیا کرے گا..."؟ "یہ سوچ ہی اس کے لیے سوہان روح تھی۔" کاش یہ خضر کا مذاق ہوتا...، اب میں کیا کروں؟ اگر ماما بابا کو پتا چلا تو ان کا کیا حال ہوگا؟" یہ سوچتے ہی اسکے آنسوؤں میں روانگی آگئی۔

جانے وہ کتنی دیر اپنے کمرے میں روتی رہی تھی جب نیچے لاؤنج سے غیر محسوس ہلچل کا احساس ہوا۔ وہ منہ دھوتی نیچے چلی آئی جہاں سب ہی پریشان سے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا...؟ آپ لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں؟" لبینہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"فیصل ابھی تک گھر نہیں آیا!" بلقیس بیگم نے پریشانی سے کہا۔ لبینہ نے بھی ٹائم دیکھا بارہ بج گئے تھے، دو گھنٹے ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ لبینہ کو بھی پریشانی نے گھیر لیا۔

"ہائے! اللہ میرے بچے کی حفاظت کرے۔ اللہ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے!" دادی نم آنکھوں سے اس کے لیے دعا کرنے لگ گئیں۔ لبینہ کو فیصل کے الفاظ یاد آئے۔

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں دادی کو پیار نہیں کرتا یا دادی مجھ سے پیار نہیں کرتیں..."

"دادی کو بتا دینا میں اُن سے بہت پیار کرتا ہوں۔"

لبینہ نے نفی میں سر جھٹکا۔ اور فیصل کے لیے پریشان سی اس کی سلامتی کے لئے دعا کرنے لگ گئی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب باہر ہارن کی آواز آئی سب ہی فکر کے عالم میں جلدی سے باہر کی طرف بڑھ گئے جہاں فیصل بائیک کھڑی کرتا اندر کو ہی آرہا تھا۔ فیصل کو صحیح سلامت دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔ دادی جلدی سے فیصل کے پاس گئیں اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"تُوں نے تو میری جان ہی نکال دی تھی!" دادی نے نم آواز میں کہا۔

"سوری وہ ٹائر پنچر ہو گیا تھا۔" اس نے باقی سب کو دیکھتے ہوئے کہا اور دادی کو یوں ہی ساتھ لگائے لاؤنج میں لے

آیا۔

"میں ٹھیک ہوں دادی یہ دیکھو ایک دم فٹ!" فیصل نے اپنے بازو کمر میں ٹکائے اور گردن تان کر کہنے پر سب ہی مسکرا دیے۔

"ویسے باجی لبینہ کہیں تم نے دادی کو بتا تو نہیں دیا تھا کہ یہ مجھے میری سوتیلی دادی لگتی ہیں؟ تبھی یہ پیار نچھاور کر رہی ہیں؟" فیصل نے ماحول کے تناؤ کو کم کرتے کہا۔

"کیا...؟ باجی کس کو بولا؟" لبینہ نے فیصل کے کان کھینچتے کہا۔

"ایک تو سب میرے کانوں کے پیچھے کیوں پڑے رہتے!" فیصل نے ناراضگی دکھاتے ہوئے کہا لیکن پھر بھی لبینہ نے اس کے کان نہ چھوڑے۔

"دادی! اپنی بہو کی بہو کو دیکھ لو۔ اور دادی کی بہو کی بہو! دیکھو تمہاری دادی نے ہی کہا تھا کہ تمہیں باجی بولا کروں!" فیصل نے باری باری دونوں کو دیکھتے باور کروایا۔

"ویسے تو توں میری مانتا نہیں یہ بڑی جلدی مان لی!" دادی نے گھورتے کہا اور اس سے پہلے کہ یہ بحث چل نکلتی بلقیس بیگم نے سب کو اپنے اپنے کمرے میں بھیج دیا۔

آج وہ کافی لیٹ اٹھی تھی اس لیے ناشتے میں دیر ہو گئی۔ لبینہ ناشتہ کرنے کچن میں آئی جہاں خضر پہلے سے ہی ناشتہ کر رہا تھا۔ وہ وہیں دروازے کے پاس ہی رُک گئی جب آسیہ بیگم کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے بیٹا تمہیں کیا ہو گیا؟ اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں سو ج گئیں؟ اور صحت بھی ڈاؤن لگ رہی! طبیعت ٹھیک ہے نا؟" آسیہ بیگم نے لبینہ کو دیکھتے پوچھا جس کی آنکھیں شاہد مسلسل رونے سے سُرخ ہو گئی تھیں اور سو جن بھی نمایاں تھی۔ خضر نے بھی پلٹ کر دیکھا وہ واقعی کچھ کمزور سی لگ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ماما...! شاید رات کو ٹھیک سے سو نہیں پائی...! خیر آپ لوگ بتائیں کیا بنا رہی ہیں؟" لبینہ کے کہنے پر خضر اپنا ناشتہ مکمل کر تا باہر چلا گیا۔ وہ محض اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

"مٹر قیمہ بنا رہی ہوں!" آسیہ بیگم کے کہنے پر اس نے سر ہلادیا۔

"ارے واہ...! یہ مٹر قیمہ کس نے بنایا ہے؟" فیصل نے اندر آتے دریافت کیا اور خود ہی ہنڈیا میں جانکنے لگا۔

"واؤ! بڑی زبردست خوشبو ہے چچی جان، ایک منٹ رکیں!" فیصل کہتا ہوا کین کی طرف بڑھ گیا اور وہاں سے ایک کٹوری نکال لایا۔

"اس کو بھر دیں چچی جان! تاکہ میں ٹیسٹ کر کے بتا دوں کہ کیسی بنی۔ کیونکہ آپ کو نہیں پتہ یہ جو آپ کی ساس (دادی) ہے نہ! بڑے نقص نکالے گی اس لئے آپ کی بھلائی کے لیے ہی کہہ رہا ہوں!" فیصل کے خاص عورتوں والے انداز پر آسیہ بیگم نے ایک چپت لگا دی۔

"بالکل پاگل ہو!"

"اور مامانیدہ بھی!" لبینہ نے مزید اضافہ کیا۔

"ایک لفظ ہی سیکھا ہے تم نے وہ بھی "نندیدہ"، کچھ اچھا سیکھ لیتی تو کیا جاتا تمہارا! اور دیکھو تم چپ کرو یہ ماں بیٹے کا معاملہ ہے!" فیصل نے لبینہ کو منہ چڑاتے کہا۔ آسیہ بیگم نے چچہ فیصل کے حوالے کر دیا جسے فیصل نے فوراً تھامتے مٹر قیمہ کٹوری میں نکالتے، دو تین چچ اٹھاتا لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔

ابو بکر! سدرہ! آصف! آجاؤ کچن میں لبینہ باجی ہیں۔ سب آجاؤ جلدی جلدی! "لاؤنج میں آتے ہی اس نے سب کو اونچی اونچی آواز میں بلانا شروع کر دیا تو سب ہی حاضر ہو گئے!

"ٹوٹ پڑو اس پر! قیمہ کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالو!" فیصل نے کہتے ہی سب کی طرف چچ بڑھائے جس پر سب ہی مزے دار قیمہ سے لطف اندوز ہونے لگے۔ لیکن اس قیمہ سے بھی زیادہ مزہ اکٹھے مل جل کر کھانے کا تھا۔ جو چیز سب بہن بھائی مل کر کھالیں وہ خود بخود لطف دینے لگتی ہے۔

کل واپسی تھی ان لوگوں کی۔ سب اُداس بھی تھی تھی اتنی رونق جو بن گئی تھی ان سب سے! وہ بھی اپنے کمرے میں اُداس بیٹھی تھی۔ "کاش خضر کی باتیں جھوٹ ہوتیں جو اس نے مجھے کہیں!" ہر بار وہ ایک ہی دعا کرتی۔ کچھ تو ایسا ہو جائے کہ خضر کی باتیں محض ایک مذاق ہوں!" لیکن خضر نے اس کے بعد سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں سامنا ضرور ہوتا تھا لیکن بات چیت بالکل بند تھی۔

"ارے آپ تم یہاں ہو؟ خضر بھائی تمہیں بلارہے۔ پیچھے والی بالکونی میں ہیں!" سدرہ خضر کا پیغام دیتی چلی گئی تو اسے فکر نے آن گھیرا!۔

"اب کیا بات کرنی ہوگی؟ جانے اب کیا انکشاف کرنا ہو گا۔ اللہ! اگر خضر نے کچھ کہہ دیا تو..." لبینہ کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو گئیں تو وہ آنسو پونچھتے دھیمے دھیمے قدم چلتی بالکونی میں آگئی جہاں خضر اس کی طرف پشت کئے بالکونی سے نظر آتے منظر دیکھ رہا تھا۔

"بیٹھ جائیں!" خضر نے بغیر پلٹے لبینہ کی موجودگی کا احساس کرتے کہا تو وہ ناچار پاس پڑی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ جس سے آپ بھی اس سے رہا ہو جاؤ گی اور میں بھی!" خضر نے مڑتے ہوئے لبینہ کو دیکھتے کہا تو طلاق کے تصور سے ہی لبینہ کی جان پر بن آئی۔

"دیکھیں خضر پلیز خدا کے لیے مجھے طلاق نہ دیجیے گا، میں ساری زندگی وہی کروں گی جو آپ کہیں گے لیکن پلیز یہ نہیں کریں!" لبینہ کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو جاری ہو گئے، وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ جھکائے رو پڑی۔ تو خضر بھی اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"وہی کریں گی جو میں چاہوں گا؟" خضر کے پوچھنے پر لبینہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پہلے رونا بند کریں!" خضر کے سختی بھرے انداز پر اس نے جلدی سے اپنے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کئے۔

"آپ کو چھوڑنے کے علاوہ آپ میرا ہر فیصلہ قبول کریں گی؟" خضر کے کہنے پر لبینہ نے پھر سے سر ہلا دیا۔

"تو میرا یہ فیصلہ ہے کہ آپ زندگی کی اس دھوپ چھاؤں میں میرا ساتھ دیں گی۔ کبھی روئیں گی نہیں اور اگر کبھی میں آپ کو تنگ کروں گا تو کم از کم آپ جیسی کانفیڈنٹ گرل یوں چھپ چھپ کر نہیں روئے گی بلکہ بالکل ویسے ہی اپنے لیے لڑے گی جیسے چچا جان سے آپ نے اس رشتے کے لئے صاف انکار کر دیا تھا!" خضر کے کہنے پر لبینہ نے بے یقینی سے خضر کو دیکھا اس کے انداز میں لبینہ کو کہیں طنز نظر نہیں آیا تھا۔

"ہاں اس دن آپ کو ایسے ہی بیٹھے دیکھ کر پتہ نہیں کیوں میرا دل کیا کہ میں تنگ کروں آپکو! مجھے اچھا لگتا ہے آپ کو تنگ کرنا لیکن آپ نے تو سیریس ہی لے لیا!" خضر نے خفگی بھرے انداز میں کہا لیکن لبینہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"پتا ہے کیا؟ میں اکثر لاہور چچا جان کے پاس آتا رہتا تھا۔ آپ لوگ یونیورسٹی کالج ہو تیں یا بڑی ہو تیں اس لئے کبھی آپ سے سامنا نہ ہوا۔ ایک دن میں چچا جان کے گھر آیا تو آپ لان میں کام کروا رہی تھی آپ پہلی نظر میں ہی اس چھوٹے سے دل میں آ گئیں...! اور پھر ایسا کئی بار ہوا کہ میں آپ لوگوں کی گھر آنے لگا لیکن کبھی آپ مل جاتیں کبھی نہیں...! مجھے آپ کو دیکھنا اچھا لگتا تھا...! آئی ڈونٹ نو کہ آپ نے کب میرے دل میں اپنے قدم جمائے! اس سے پہلے کہ میں گھر میں بات کرتا دادی جان نے خود ہی اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ لیکن آپ کے انکار کی مجھے سمجھ نہ آئی تو میں نے آپ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تو اتفاق سے آپ کے انکار کا جواز میں نے خود سن لیا۔ اور مجھے آپ کے پینڈو کہنے پر بُرا لگا تھا لیکن جہاں محبت ہو وہاں چھوٹی چھوٹی باتیں میٹر نہیں کرتیں! آپ کا غلط سمجھنا غلط بھی نہیں تھا، ہو سکتا ہے آپ کی دوست کے ویسے ہی رشتہ دار ہوں جاہل لیکن ہر گاؤں میں رہنے والا شخص جاہل نہیں ہوتا نہ ہی ہر شہر میں رہنے والا ویل مینز ہم جو سنتے ہیں بغیر دیکھے، سمجھے خود سے ہی ایک مائنڈ سیٹ کر لیتے ہیں تو آپ نے جو سنا سمجھا اسی کو سچ مان لیا! اسی لئے میں نے چچا جان کو یہاں گاؤں آنے کا کہا! سو وہ آ گئے آپ سب کو لے کر اور آگے آپ جانتی کہ آپ کو سب کچھ کیسا لگا!" خضر نے کندھے اچکاتے کہا۔

"تو وہ سب آپ نے مجھے تنگ کرنے کے لئے کہا تھا؟" لبینہ کو ابھی تک یقین نہیں تھا۔

"سوری!"

"آپ جھوٹ تو نہیں بول رہے؟" لبینہ نے خضر کی آنکھوں میں دیکھتے کہا جہاں سچائی واضح نظر آرہی تھی۔

"نہیں... کہو تو قسم اٹھا لوں؟" خضر کے کہنے پر اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

"ویسے آپ کو شرم نہیں آئی تھی یوں کسی کو گھورتے ہوئے؟"

"تب تو آئی تھی تھوڑی سی! لیکن اب تو گھور سکتا ہوں نا؟" خضر نے لبینہ کو مزید تنگ کرتے کہا۔

"جی نہیں! پہلے تو میں یہ سب دادی کو بتاؤں گی نا! تاکہ دادی آپ کو نہ صرف غصے سے گھورے بلکہ آپ کی خوب

خبر بھی لے! ہونہہ!"

"کیسی بیوی ہو؟ شوہر کو ڈانٹ پڑواؤ گی کیا؟" خضر نے خفگی سے کہا۔

"آپ مجھے تنگ کر سکتے اور میں آپ کو ڈانٹ بھی نہ پڑواؤں؟" لبینہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بات تو سنیے!"

"سُنیں گے تو آپ! وہ بھی دادی کی کھری کھری!" لبینہ مسکراتے ہوئے کہتی چلی گئی تو وہ سر کھجاتا رہ گیا۔ وہ خوش تھی

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے خضر کی کہی گئی باتوں پر صدقِ دل سے یقین ہو گیا تھا۔

اگلی صبح سب لوگ واپسی کے لئے تیار تھے لبینہ خوش تھی کہ رات کو خضر نے سب کلیر کر دیا تھا۔ سب ان سے مل

رہے تھے۔ آج وہ لوگ واپس لاہور جا رہے تھے۔

"میں تم دونوں کو بہت مس کروں گی!" لبینہ نے اداسی سے کہا۔ اداس تو وہ دونوں بھی ہو گئے تھے۔

"ہم بھی آپ سب کو بہت مس کریں گے!"

"خضر بیٹا لاہور آتے رہنا پہلے کی طرح!" مہتاب صاحب نے سب سے ملنے کے بعد خضر کو گلے لگا لیا۔

"جی انکل اب تو ایک بار ہی آؤں گا اپنی امانت لینے!" خضر کے معنی خیز انداز پر سب مسکرا دیئے۔

وہ لوگ سب کو الوداع کہتے گاڑی میں بیٹھ گئے تو مہتاب صاحب نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

لبینہ نے پیچھے دیکھا سب ہاتھ ہلارہے تھے اس نے بھی سب کو دیکھتے ہاتھ ہلا دیا اور ایک نظر اس خوشیوں بھرے گھر پر ڈالی اور ہمیشہ اس گھر کے افراد کی خوشیوں کی دعا کی تو نظر سامنے کھڑے خضر پر پڑی تو وہ مسکرا دیا۔
لبینہ بھی مسکراتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آج وہ یہاں سے جا رہی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واپس آنے کے لئے۔
اس گھر میں اپنی چاہت کے رنگ بکھیرنے کے لئے۔ خضر اس کی زندگی میں بن مانگی دعا کی طرح شامل ہوا تھا۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بن مانگی چیزوں اور انسانوں کی قدر کرتے ہیں جن میں سے ایک وہ بھی تھی لیکن اب وہ بن مانگی دعا محبت بن گئی تھی۔ جب محبت ہو جائے تو انسان میں ہر صحرانگ کو پار کرنے کی ہمت آ جاتی ہے لیکن یہاں ویسے ہی سب اس سے بہت محبت کرنے والے تھے تو محبت کرنے والا شوہر اور محبت سے گندھے رشتہ پا کروہ خوش کیوں نہ ہوتی؟ یہ رشتے، یہ محبتیں انمول ہوتی ہیں۔ جس کو بھی یہ خالص محبتیں مل جائیں اسے بھی انمول کر دیتی ہیں۔ سو وہ خوش تھی اور اپنی آئندہ زندگی کی خوشیوں کے لیے اپنے رب سے دعا گو تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR
KITE

ختم شد

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب